فقہ جعفری میں اجتہاد کا آغاز اور ارتقاء

Begning & Evolution of *Ijtihad in Ja'fari Fiqh*

Muhammad Raza Dawoodani
Prof. Dr. Zahid Ali Zahidi

Abstract

This article discusses the evolutionary stages of *Ijtihad* (ultimate effort) in *Ja'fari* school of jurisprudence. According to the author, the term "*Ijtihad*" in its first stage, was considered as a synonym of "*Qiyas*" (analogic reasoning), which was rejected by *Ahl al-Bayt* and *Shia Ulama*. Later on, *Muhaqqiq Hilli*, while rejecting *Qiyas*, accepted *Ijtihad* as where more deliberation and effort were required to understand the *Nas* (explicit proof). In the later stage, it was accepted that the deduction of rulings from explicit proof also required the acceptance of some rules. It was in this way that it was also called ijtihad. In the final stage, the debate on the authority and application of principles to infer the apparent command in the absence of explicit proof and non-access to the actual command also became known as *Ijtihad*.

Key Words: Ijtihad, Nas, Command, Jurisprudence, Deduction.

خلاصہ

اس مقالہ میں فقہ جعفری میں اجتہاد کے ارتقائی مراحل پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق لفظ اجتہاد نے طویل ارتقائی سفر طے کیا۔ پہلے مرحلے میں اسے قیاس کا ہم معنی سمجھا جاتا رہا جس پر اہلبیتؑ نے تنقید بھی کی اور بہت سی کتابیں شیعہ علماء نے اس کی رد میں لکھیں۔ بعد ازاں محقق حلی نے قیاس کو باطل قرار دیتے ہوئے جہاں نص کسی ایک معنی میں ظہاور نہ رکھتی ہو تو وہاں نص کو سمجھنے کے لئے غور و فکر کو قابل قبول اجتہاد سے تعبیر کیا۔ اگلے مرحلے میں مانا گیا کہ ظاہر نص سے بھی حکم کا سمجھنا کچھ قواعد کے قبول کرنے پر موقوف ہے لہذا اسے بھی اجتہاد کہا جانے لگا۔ آخری مرحلے میں نص کے مفقود ہونے اور حکم واقعی تک راستہ نہ ملنے کی صورت میں حکم ظاہری تک پہنچنے کے لئے اصولوں کی حجیت پر بحث اور تطبیق کو بھی اجتہاد کہا گیا۔

کلیدی کلمات: اجتہاد، قیاس، نص، حکم، فقہ، استنباط۔

تعارف

علمِ فقہ کی اہمیت مسلمانوں کے ہر فرقے میں مسلم رہی ہے۔ یہ دستورِ حیات ہے جس کے مطابق مسلمان اپنی روزمرہ زندگی گزارتا ہے۔ فقہ کا لغوی معنٰی "فہم" یعنی سمجھنا ہے۔ اس کی اصطلاحی تعریف میں شہیدِ اوّل کہتے ہیں: ''الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ عن ادلتھا التّفصیلیۃ''[1] یعنی: ''فقہ فروعی احکام شریعت کو ان کے مصادر سے سمجھنے کا نام ہے۔'' یہ فقہ کی مشہور تعریف ہے جس میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔**الاحکام الشرعیۃ**: یعنی خدا کی طرف سے معین کردہ قوانین؛ جس سے غیر خدا کی طرف سے وضع کیے گئے قوانین خارج ہو جاتے ہیں۔

۲۔**الفرعیۃ**: اس سے شرعی اعتقادات کو خارج کیا گیا۔ مثلاً ایمان باللہ۔

۳۔**ادلتھا التفصیلیۃ**: اس قید کے ذریعے ایک مقلد خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مقلد فروعی احکام کا علم خود دلائل سے اخذ نہیں کرتا بلکہ مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کرتا ہے۔ یہاں تفصیلی ادلہ کی قید کے ذریعے یہ لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ یہ علم قرآن و سنت سے رجوع کر کے حاصل کیا گیا ہو۔

آیت اللہ شہید صدرؒ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''علم فقہ احکام شریعت کے '' استنباط '' کا نام ہے۔''[2]

استنباط: استنباط کا مادہ "نبط" ہے۔ جس کا معنی ہے، چھپی ہوئی چیز کا ظہور۔[3] زمین کی گہرائی سے پانی کے نکالنے کو "نبط" کہتے ہیں۔ اسی طرح احکام شرعی کے معتبر منابع یا مصادر سے استخراج کو استنباط کہا جاتا ہے۔ پہلی تعریف کے ذیل میں بیان ہوا کہ احکام شریعت سے خدا کی طرف سے مقرر کردہ قوانین مراد ہیں؛ فقہ انہی احکام کے فہم کا نام ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے منابع یا مصادر شریعت کو کھنگالا گیا ہو۔

اجتہاد: اس کا مادہ '' جہد '' ہے۔ لغت میں، تلاش اور کوشش کرنا۔[4] اصطلاحاً اس سے مراد احکام شریعت کو اس کے منابع سے جاننے کی تلاش ہے۔ بقول میرزا قمی: ''اجتہاد فروعی احکام شریعت کو اس کے مصادر سے حاصل کرنے کے لئے پوری توانائی صرف کرنے کا نام ہے۔''[5] بنابریں، معتبر منابع یا مصادر سے احکام شرعی کو حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کا نام اجتہاد ہے جسے استنباط کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

فقہ جعفری: فقہ جعفری سے مراد وہ فقہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس سے مراد احکام شریعت کا فہم حاصل کرنے کی وہ روش ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے تعلیم فرمائی۔ البتہ یہ فقہ اہل بیتؑ ہی

ہے جس سے رجوع کرنے کا حکم حدیث ثقلین میں دیا گیا ہے: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي"[6] بلاشبہ اس کی تعلیم اور ترویج کا سب سے زیادہ موقع، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو ملا لہذا یہ "فقہ جعفری" مشہور ہوگئی۔ جیسا کہ ائمہ اہلبیتؑ کی روش کو سمجھنے کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلامؑ سے منقول یہ قول قابل توجہ ہے: إِنَّمَا عَلَيْنَا أَنْ نُلْقِيَ إِلَيْكُمُ الْأُصُولَ وَعَلَيْكُمْ أَنْ تُفَرِّعُوا یعنی: "ہمارے ذمہ ہے کہ ہم تمہیں اصول سمجھائیں اور تمہارے ذمے ہے کہ اس سے فروعات نکالتے چلے جاؤ۔" نیز امام علی رضاؑ سے بھی نقل ہوا ہے: عَلَيْنَا إِلْقَاءُ الْأُصُولِ إِلَيْكُمْ وَعَلَيْكُمُ التَّفْرِيعُ[7] ان فرامین کی روشنی میں میرزا قمی نے اجتہاد کی مکمل تعریف اس طرح کی ہے: "اجتہاد، فروعی احکام شریعت کو اس کے مصادر سے حاصل کرنے کے لئے اس شخص کا پوری توانائی صرف کرنے کا نام ہے جو اِن مصادر اور متعلقہ امور کو پہچانتا ہو۔ نیز قوۃ القدسیہ رکھتا ہو تاکہ فرع کو اصل کی طرف پلٹا سکے۔" اس تعریف میں "قوۃ القدسیہ" سے روحانی اور فکری توازن مراد ہے؛ یعنی کج سلیقہ نہ ہو۔[8] "ردّ الفرع الی الاصل" سے وہ اصول مراد ہیں جن کی طرف پیش آنے والے مسائل (فروع) کو پلٹا کر تطبیق کی جائے گی۔

آیا اجتہاد ممدوح ہے یا مذموم؟

جیسا کہ مفردات کی شرح کے ضمن میں بیان ہوا، معتبر منابع یا مصادر سے احکام شرعی کو حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کا نام اجتہاد ہے اور اس معنی میں اجتہاد، فقہ جعفریہ میں ایک پسندیدہ عمل شمار ہوتا ہے۔ تاہم بعض شیعہ علماء جو کہ خود صفّ اول کے مجتہدین میں شامل ہیں، انہوں نے اجتہاد کی مذمت کی ہے؟ بھلا یہ کیوں؟ دراصل، بعض معتبر علماء کی طرف سے اجتہاد کی مخالفت کی دو عمدہ وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ "اجتہاد" کے لفظ کا ایک نادرست فقہی روش کے معنوں میں استعمال ہے۔ دراصل، اسلامی فقہ میں بعض علماء امّت کے ہاں اجتہاد کا لفظ بالعموم "قیاس" کے لئے استعمال ہوا کرتا تھا جسے اہل بیتؑ نے اچھا نہیں سمجھا اور اس سے سختی سے روکا۔ نص کے مقابلے میں ایسے اجتہادات کی وجہ سے لفظ "اجتہاد" اور "مجتہد" ابتدا میں شیعہ علماء کے نزدیک ناپسندیدہ لفظ تھا اور وہ شرعی احکام کے ماہر کو فقیہ کہا کرتے تھے۔ اس سیاق و سباق میں ان احادیث کو سمجھا جاسکتا ہے جن میں آپ ﷺ اور ائمہ اہل بیتؑ نے قیاس اور اس کے مترادف معنی میں اجتہاد کی مذمت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"[9] اسی طرح امام علیؑ نے فرمایا: "دین میں قیاس مت کرو...... عنقریب وہ قومیں

آئیں گی جو قیاس سے کام لیں گی اور وہ دین کی دشمن ہوں گی۔ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔"[10] اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "جب سنت کو قیاس کیا جائے تو دین تباہ ہو جاتا ہے۔"[11] اہل سنت ائمہ اربعہ میں بھی سب قیاس کے قائل نہیں ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ اس کے بہت بڑے حامی رہے ہیں۔ امام شافعی "الرسالہ" میں فرماتے ہیں:"فما القیاس؟ اھو الاجتھاد ام ھما مفترقان؟ قلت: ھما اسمان بمعنی واحد[12] یعنی: "قیاس کیا ہے؟ اجتہاد اسی کو کہتے ہیں یا یہ دونوں مختلف ہیں؟ میں کہتا ہوں یہ دونوں نام ایک ہی مطلب کے لئے ہیں۔" ابو حامد غزالی نے بھی "المستصفی" میں اس نسبت کو بیان کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر وہ اس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے اجتہاد کو قیاس سے اعم قرار دیتے ہیں۔

اجتہاد کی مذمت کی دوسری عمدہ وجہ استنباط میں تصویب کا نظریہ ہے۔ دراصل، اجتہاد کے ضمن میں ایک بحث یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے نتیجے میں جو فقہی حکم صادر کرتا ہے یا فتویٰ دیتا ہے آیا وہ حکم واقعی ہوتا ہے، حکم واقعی بن جاتا ہے یا حکم واقعی تک پہنچنے کے امکان کے ساتھ اس میں خطا کا امکان بھی پایا جاتا ہے؟ پہلی دو صورتوں میں اجتہاد کو "تصویب" اور مجتہد کو "مصیب" کہا جاتا ہے جبکہ تیسری صورت میں اجتہاد کو "تخطئہ" اور مجتہد کو "مخطی" کہا جاتا ہے۔ بالترتیب اشاعرہ نے پہلی، معتزلہ نے دوسری اور امامیہ نے تیسری صورت کو قبول کیا ہے۔[13] اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خارجی موضوعات، مثلاً قبلہ کس سمت میں ہے؟ یہ مائع شراب ہے یا نہیں؟ ان جیسے مسائل میں اختلاف کی صورت میں قول حق ایک ہی ہوگا، ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا؛ یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت قبلہ مشرق میں بھی ہو اور مغرب میں بھی۔ اسی طرح یہ مائع اگر شراب ہے تو لال شربت نہیں ہوگا اور لال شربت ہے تو شراب نہیں ہو گا۔ اگر لال شربت سمجھ کر کسی نے غلط فہمی میں شراب پی لی تو اسے گنہگار نہیں مانا جائے گا اور اس کے پاس خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک عذر ہوگا کہ میں نے جان بوجھ کر شراب نہیں پی تھی۔

علمائے امامیہ اجتہاد کے ذریعے احکام شرعی کشف کرنے کے لئے مجتہد کی کوشش کو بھی اس سے زیادہ نہیں مانتے۔ حکم شرعی، لوح محفوظ پر ثبت ہے، مصادر شریعت کے ذریعے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، جو اجتہاد ہے۔ کوشش میں کامیاب ہو گیا تو ھو المطلوب، خطا کی صورت میں میدان قیامت میں وہ اپنا عذر پیش کر سکتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر کوتاہی نہیں کی تھی اور "استفراغ الوسع" کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اصطلاحاً اسے

"تخطئہ" کہا جاتا ہے۔ بعض علمائے اہل سنت نے تخطئہ کے نظریہ کو بھی قبول کیا ہے اور من جملہ دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کیا ہے: اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر[14] اس کے مقابلے میں تصویب کے قائلین میں اشاعرہ کے نزدیک حکم واقعی مقرر ہی نہیں ہے۔ بلکہ حکم خدا مجتہد کی رائے کے تابع ہے اور آرائے مجتہدین میں تفاوت کی صورت میں حکم واقعی بھی ایک سے زیادہ ہوں گے۔[15] جبکہ معتزلہ کے نزدیک حکم واقعی کا وجود تو ہے لیکن مجتہد کے خطا کرنے کی صورت میں اسے مجتہد کی رائے کے مطابق تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہاں بھی نتیجۃً تفاوت آرائے مجتہدین کی وجہ سے حکم واقعی ایک سے زیادہ ہو جائیں گے۔ امام شافعی کی طرف بھی اس قول کی نسبت دی گئی ہے۔[16]

خلاصہ یہ کہ اجتہاد کے تصویب اور مجتہد کے مصیب ہونے کا نظریہ بھی اس بات کا باعث بنا کہ علمائے امامیہ اور راویان حدیث اہل بیتؑ نے ایسے اجتہاد کے خلاف کتابیں لکھیں۔ سید مرتضیٰ نے "رسائل المرتضیٰ" میں اہل اجتہاد و قیاس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا: "۔۔۔انما عبناهم بالاجتهاد والقياس في الشريعة، لانه لادليل عليهما۔۔۔"[17] "۔۔۔ہم شریعت میں اجتہاد و قیاس کی وجہ سے ان کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ ان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔۔۔" بقول شہید صدرؒ، سید مرتضیٰ نے "الذريعة الى اصول الشريعة" میں تحریر کیا ہے: "یقیناً اجتہاد باطل ہے اور امامیہ کے نزدیک ظن، رائے اور اجتہاد پر عمل جائز نہیں ہے۔"[18]

"...المبسوط" میں ایک مسئلے کی علت بیان کرتے ہوئے شیخ طوسی فرماتے ہیں؛ "...ولان الاجتهاد عندنا باطل..."[19] "۔۔۔کیونکہ اجتہاد ہمارے نزدیک باطل ہے۔۔۔" شہید صدر کے نقل کے مطابق شیخ طوسی نے العدۃ میں یہ لکھا ہے: "قیاس اور اجتہاد ہمارے نزدیک دلیل شرعی شمار نہیں ہوتے بلکہ شریعت میں ان کا استعمال ممنوع ہے۔"[20] ... چھٹی صدی کے اختتام پر ابن ادریس نے "السرائر" میں لکھا: "قیاس، استحسان اور اجتہاد ہمارے نزدیک باطل ہے۔"[21] پس ساتویں صدی تک لفظ "اجتہاد" کا یہ منفی تاثر اسی طرح باقی رہا۔

لفظ "اجتہاد" کے معنی میں تبدیلی

ساتویں صدی میں اجتہاد کے معنی میں تبدیلی آئی اور اسے ایک جدید اصطلاح کے طور پر لیا گیا۔ اس تبدیلی کو محقق حلّی متوفّی ۶۷۶ھ کی "کتاب معارج الاصول" کے نویں باب کے آغاز میں "حقيقة الاجتهاد" کے ماتحت دیکھا جا سکتا ہے۔ شہید صدر کے بقول: "فقہا کے نزدیک اجتہاد سے مراد احکام شرعی کے استخراج کے لئے توانائی صرف

کرنا ہے۔ اس اعتبار سے اجتہاد مصادر شریعت سے استخراج احکام کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ غالباً نظری قواعد و دلائل پر استوار ہیں (بدیہی نہیں ہیں)، ظاہر آیت یا روایت سے آسانی سے ان احکام کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہ دلیل قیاس ہو یا کوئی اور۔ اس بنا پر قیاس اجتہاد کی ایک قسم قرار پائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اس طرح تو امامیہ بھی اہل اجتہاد قرار پائیں گے تو ہم کہیں گے کہ بات ایسی ہی ہے۔ ہاں! قیاس کے اجتہاد میں شامل ہونے کی وجہ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم اہل قیاس بھی ہیں۔ جب قیاس کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو بلاشبہ ہم بھی اہل اجتہاد ہیں۔"

شہید صدر اس کے بعد یہ تبصرہ کرتے ہیں": اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ کلمۂ اجتہاد ایک عرصے سے علمائے امامیہ کے نزدیک معنی اول میں منحصر تھا۔ محقق کی عبارت واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس وقت تک علمائے امامیہ "اہل اجتہاد" کی صف میں شامل ہونے کے لئے تیار نہ تھے اور فقہائے امامیہ پر مجتہد کے عنوان کی تطبیق کرنا آسان نہ تھا۔ مگر محقق حلی نے اس عنوان کو قبول کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیا۔"[22]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرحوم محقق کو "اجتہاد" کے لفظ کے معنی میں تبدیلی کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس تبدیلی کے باعث پر خود محقق نے گفتگو نہیں فرمائی۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تبدیلی کا ایک سبب، ذوق علمی کی تسکین ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ ایک اصطلاح علی الاطلاق مطعون ہے، جبکہ اس میں وسعت موجود ہے اور اسے صحیح اور مفید معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے، تو کیوں نہ کیا جائے؟ دوسرا سبب علمی توافق ہو سکتا ہے۔ ابو حامد غزالی اور محقق حلی قریب العہد ہیں۔ غزالی، خود قیاس کے قائل تھے اور انہوں نے "المستصفی" میں اس کے اثبات کے لئے دلائل دیے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اجتہاد اور قیاس کو ہم معنی یا مترادف نہیں سمجھتے تھے بلکہ اجتہاد کو قیاس سے اعم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: "بعض فقہا کے نزدیک قیاس ہی اجتہاد ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے؛ اجتہاد، قیاس سے اعم ہے کیونکہ کبھی اجتہاد عمومی مسائل اور الفاظ کی دقتوں پر غور وفکر کے ذریعے ہوتا ہے، اسی طرح قیاس کے علاوہ دیگر ادلہ پر غور وفکر بھی اجتہاد ہی ہے۔"[23] غزالی کا بعض فقہا کی طرف نسبت دینا اور خود بھی اس ترادف کو قبول نہ کرنا، اس بات پر کافی روشنی ڈالتا ہے کہ اس وقت تک لفظ اجتہاد کی عمومیت کے حوالے سے علماء اہل سنت میں بھی ایک فضا بن چکی تھی۔

بہر صورت، اگر فرض کریں کہ کلمۂ اجتہاد محقق کے زمانے میں نئے معنی میں استعمال ہونے لگا تھا یا انہوں نے خود ہی اس کام کو انجام دے دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ محقق سے پہلے اجتہاد کا کلمہ کس معنی میں استعمال ہوتا تھا اور انہوں نے اسے کس معنی میں استعمال کیا؟ شہید صدر کے بقول جواب یہ ہے کہ: "پہلے معنی میں اجتہاد، دلیل

شرعی تھا جبکہ جدید معنی میں وہ راستہ کہلایا جسے فقیہ طے کرتا ہے۔ پہلے اس سے مراد وہ دلیل تھی جس پر اس استدلال کو استوار کیا جاتا تھا مگر اب دلیل شرعی کچھ اور ہے اور اجتہاد استخراج حکم کی کوشش کا نام ہے۔ پہلے مصدر عمل تھا؛ اب خود عمل ہے۔ اس بنا پر اجتہاد، اہل سنت سے مخصوص نہ رہا، بلکہ استخراج حکم کے عمومی معنی میں استعمال ہونے لگا۔ غور کیا جائے تو دونوں معنی میں بنیادی اور جوہری فرق ہے۔ اجتہاد پہلے معنی میں آیت و روایت کے مقابلے میں مستقل ہے یعنی جس طرح فقیہ فتویٰ صادر کرنے کے لئے آیت و روایت سے استدلال کرتا ہے، اسی طرح نص نہ ہونے پر اپنے اجتہاد یعنی اپنی ذاتی فکر سے بھی استدلال کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ یہ حکم آپ نے کس بنیاد پر لگایا ہے اور آپ کا مصدر کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میرا مصدر میرا اجتہاد، یعنی میری رائے ہے۔ اس کے برعکس، جدید معنی میں فقیہ کے پاس یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی حکم کو اپنے ذاتی اجتہاد کی بنا پر بیان کرے۔ کیونکہ اجتہاد اس جدید معنی میں حکم شریعت کے لئے مصدر کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ مصادر سے استنباط کا نام ہے۔ اب اگر فقیہ کہے کہ "یہ میرا اجتہاد ہے" تو اس کا مطلب ہوگا یہ میں نے مصادر اور دلائل سے استنباط کیا ہے اور ہمیں یہ حق ہوگا کہ ہم ان مصادر کے بارے میں پوچھیں کہ وہ کون سے ہیں؟ اس دوسرے معنی اور مرحلے میں اجتہاد کو زحمت و کوشش سے وابستہ کیا گیا تھا۔ یعنی جب آیت یا روایت کے ظاہر سے ہی ایک بات سمجھ میں آرہی ہے تو زحمت کہاں ہے کہ اسے اجتہاد کہا جائے؟ زحمت تو اس وقت ہوگی جب معاملہ بدیہی نہ ہو نظری ہو۔

مگر بعد کے تیسرے مرحلے میں ظاہر نص سے حکم سمجھنے کو بھی اجتہاد کہا جانے لگا۔ یہ مانا گیا کہ ظاہر نص سے حکم کا سمجھنا بھی آسان نہیں اور صرف عربی جاننے سے یہ مرحلہ طے ہونے والا نہیں ہے۔ الفاظ کے ظاہری معنی کو متعین کرنا خود ایک مشکل کام ہے۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ معنی ظواہر، حجت بھی ہیں یا نہیں یعنی عرف عام میں جو عام لوگ سمجھتے ہیں، مراد شارع بھی وہی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر احتمال خلاف موجود ہو تو اس کی طرف توجہ کرنی ہے یا نہیں؟ للذا ہر حکم شرعی کے استنباط کے لئے، چاہے وہ کسی معتبر ذریعے ہی سے استنباط کیا جائے، مخصوص قواعد کا جاننا اور قبول کرنا ضروری ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ، مجتہد بہر حال مجتہد ہوتا ہے اور زحمت برداشت کرتا ہے۔ لفظ "اجتہاد" نے چوتھے مرحلے میں مزید وسعت حاصل کی۔ اگر کسی موقع پر فقیہ کو کوئی نص نہ ملے، نہ کوئی آیت قرآن، نہ ہی حدیث تو وہ کیا کرے؟ قیاس تو پہلے ہی مسترد کیا جا چکا، پھر کرے کیا؟ جب حکم واقعی تک رسائی کے لئے سیڑھی نہ ملے تو کیا کیا جائے؟ اس مشکل کے حل کے لئے کچھ اصول بیان کئے گئے۔ ان کی حجیت پر بحث اور ان کے ذریعے حکم ظاہری کا حصول بھی اجتہاد کہلایا۔"[24]

خلاصہ یہ کہ "اجتہاد" کا لفظ 4 ارتقائی مراحل سے گذرا ہے۔ پہلے مرحلہ میں اجتہاد بمعنی قیاس تھا جس پر اہل بیتؑ نے تنقید کی اور شیعہ علماء نے اس کے رد میں کتابیں تحریر کیں۔ دوسرے مرحلہ میں محقق حلی نے قیاس کو باطل کہہ کر اور ظاہر نص کو واضح ہونے کی بنا پر اجتہاد سے مستثنیٰ کیا۔ اس کے علاوہ جہاں غور وفکر کی ضرورت اور زحمت ہو وہاں بھی اجتہاد کو قابل قبول جانا۔ تیسرے مرحلہ میں ظاہر نص سے چند قابل قبول قواعد کی روشنی میں حکم کا سمجھنا بھی قابل قبول اجتہاد کہلایا۔ اور چوتھے مرحلہ میں نص نہ ہونے اور حکم واقعی تک راستہ نہ ملنے کی صورت میں حکم ظاہری تک پہنچنے کے لئے وضع شدہ اصولوں کی حجیت پر بحث اور تطبیق کو بھی قابل قبول اجتہاد قرار دیا گیا ہے۔

فقہ جعفری کے مختلف ادوار

1. آغاز بعثت سے وفات پیغمبر ﷺ (۱۱ ہجری) تک

فقہ جعفری کے تیئیس برس کے پہلے دور کا آغاز بعثت پیغمبر ﷺ سے اور اس کا اختتام آپ کی وفات پر ہوتا ہے۔ یہ دور واضح طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ قبل از ہجرت کی مکی زندگی میں احکام کی تفصیلات نازل نہیں ہوئیں، البتہ کچھ بنیادی باتیں عفت، وعدے، امانتداری اور نماز کی پابندی وغیرہ کے حوالے سے بیان کی گئیں جنہیں مکی سورتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تفصیلات ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ یہاں تشریع احکام کی کیفیت کے حوالے سے چند نکات قابل توجہ ہیں:

1. بعض احکام بتدریج نازل ہوئے۔ مثلاً شراب اور جوئے کی حرمت۔ پہلے نصیحت کا انداز اختیار کیا گیا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (2:219)
2. پھر فقط نماز کے موقع پر حرمت کا اعلان کیا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ (4:43) اور آخر میں مطلّقاً حرمت کا اعلان کردیا گیا: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ۔۔۔اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (5:90-91) ترجمہ: "ایمان والو! شراب، جوا، بت، پانسہ یہ سب گندے شیطانی اعمال ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو تاکہ کامیابی حاصل کرسکو۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے بارے میں تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں یادِ خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعاً رُک جاؤ گے؟"

3. بعض احکام لوگوں کے پوچھنے پر بیان کیے گئے۔ جیسے ارشاد ہوا: يَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلۡأَهِلَّةِۖ قُلۡ هِيَ (189:2) ترجمہ: "یہ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔" بعض احکام کسی خاص شان نزول کے تحت نازل ہوئے جیسے "آیۂ نجوی" اور بعض مستقل طور پر جیسے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ " (183:2) ترجمہ: "اے صاحبانِ ایمان! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے شاید تم اس طرح متقی بن جاؤ۔"
4. اسی دور میں سنت رسولؐ کو مستقل منبع شریعت قرار دیا گیا۔ جیسے: وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْ (7:59) ترجمہ: "اور جو کچھ بھی رسول ﷺ تمہیں دے، اسے لے لو اور جس سے منع کردے، اس سے رک جاؤ۔" نیز ارشاد ہوا: وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ (44:16) ترجمہ: "ہم نے آپؐ پر ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لئے ان احکام کو واضح کر دیں جو ان کے لئے نازل کئے گئے ہیں۔"
5. کچھ احکام نئے تھے جن سے وہاں کے لوگ آشنا نہ تھے جیسے زکوۃ اور خمس جبکہ بعض احکام سے انہیں واقفیت تھی؛اسلام نے انہیں سمت دی یا بعینہٖ صحیح ہونے کی توثیق کردی۔ جیسے طواف کعبہ، بیع و اجارہ وغیرہ۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے اجتہاد کا امکان

اگر پوچھا جائے کہ آیا خود پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومینؑ نے بھی اجتہاد کیا یا نہیں تو علمائے شیعہ اسے درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ وحی کے ذریعے حکم واقعی کو سمجھتے اور بیان فرماتے تھے، وہاں کسی خطا کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ اس حوالے سے سید مرتضٰی فرماتے ہیں: "اجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والے نتیجے کی مخالفت، دوسروں پر، ہر حال میں حرام نہیں ہے جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی مخالفت ہر حال میں حرام ہے کیونکہ وہ اجتہاد کا نتیجہ نہیں ہے۔"[25] شیخ طوسی فرماتے ہیں: "یہ بحث بنیاد ہی سے ساقط ہے۔"[26] علامہ حلی، اجتہاد کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں: "اجتہاد کی بات پیغمبر ﷺ کے باب میں صحیح نہیں۔ جیسا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: "یہ خواہش نفس سے بات نہیں کرتے۔ بس وحی ان کا کلام ہے۔" اور اس لئے بھی کہ اجتہاد ظن کا فائدہ دیتا ہے جبکہ رسول ﷺ خدا سے وحی کے ذریعے آگاہی حاصل کرسکتے تھے۔ اسی لئے پیغمبر ﷺ کئی بار احکام کے بیان میں اس وقت تک توقف فرمایا کرتے تھے جب تک وحی نازل نہ ہو جائے۔ مزید یہ کہ اجتہاد میں خطا کا امکان ہوتا اور یہ پیغمبر ﷺ پر اعتماد سلب یا کم کرنے کا باعث بنتا۔ ان بنیادوں پر

شیعوں کے نزدیک نہ صرف پیغمبر ﷺ بلکہ ان کے وارث ائمہ ہدیٰ کے لئے بھی اجتہاد درست نہیں اس لئے کہ یہ سب معصومؑ ہیں۔[27]

ابن حزم اندلسی بھی اس معاملے میں کافی حد تک شیعہ علما کے ہمنوا ہیں۔ فرماتے ہیں: "جس کسی کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر وحی کے آنے سے پہلے خود ہی اجتہاد کر لیتے تھے وہ بڑے کفر کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ قرآن پیغمبر کے بارے میں بیان کرتا ہے: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (50:6) "میں تو بس اُس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے۔" وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (53:3-4) "یہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ تو وہی کہتے ہیں جو وحی اِن پر نازل ہوتی ہے۔" وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ (69: 44تا46)"اگر یہ ہم سے کوئی غلط بات منسوب کرتے تو ہم انہیں گرفت میں لے لیتے پھر اِن کی شہ رگِ جاں قطع کر دیتے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد

پیغمبر اکرم ﷺ کی موجودگی میں یہ عجیب سا لگتا ہے کہ کسی صحابی کے اجتہاد کی کوئی گنجائش ہو مگر پیغمبر اکرم ﷺ سے مکانی فاصلہ یا سوال کا امکان نہ ہونے کی وجہ سے بعض موقعوں پر اجتہاد کی ابتدائی صورتیں ملتی ہیں۔ مثلاً حضرت عمار یاسرؓ سفر میں جنب ہو گئے۔ پانی موجود نہیں تھا، یہ معلوم تھا کہ غسل کے بدلے تیمّم کرنا ہے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ تیمّم کیسے کرنا ہے؟ اس موقعہ پر انہوں نے اجتہاد کیا اور پورے جسم کو خاک آلودہ کر لیا تاکہ غسل کی صورت میں جہاں جہاں پانی پہنچانا ضروری ہے وہاں مٹی پہنچ جائے۔[28] شاید حضرت عمارؓ کے اجتہاد کی درج ذیل بنیادیں تھیں:

۱۔ نماز دین کا ستون ہے جسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ بغیر طہارت کے نماز نہیں ہو سکتی۔

۳۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی پانی کا بدل ہے۔

۴۔ اصل اور بدل میں مساوات کی رعایت لازم ہے۔

اس میں چوتھا مقدمہ حضرت عمارؓ کا استنباط تھا جس پر انہوں نے نتیجہ مرتب کیا کہ جہاں غسل میں پانی پہنچانا ضروری ہے، وہاں وہاں مٹی کو پہنچانا بھی ضروری ہوگا۔ بعد میں آپؐ نے اصلاح فرمائی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تیمّم کے اسی طریقے کی تعلیم دی جو وضو کے بدلے کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کیا تمام صحابہ

قابلیت اجتہاد رکھتے تھے؟ یا ان میں مراتب کا فرق تھا حضرت علیؑ اس کی وضاحت کرتے ہوئے سائل کو جواب دیتے ہیں: ''ایک شخص نے آپؑ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے پاس پائی جاتی ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پاس؛ حق باطل، سچ جھوٹ، ناسخ منسوخ، اور خاص، واضح مبہم، صحیح غلط؛ سبھی کچھ ہے۔ خود رسولؐ کے دور میں آپ پر بہتان باندھے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو خطبہ میں کہنا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ تمہارے پاس حدیث لانے والے بس چار طرح کے ہیں:

ایک شخص وہ ہے جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنالیتا ہے۔ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے لیکن وہ تو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ رسول ﷺ کا صحابی ہے اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں اور آپ سے تحصیل علم بھی کیا ہے چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس بات کو قبول کرلیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ وہ رسول ﷺ کے بعد بھی موجود تھے۔ انہوں نے کذب و بہتان کے ذریعہ پیشوایان ضلالت اور داعیان جہنم کے پاس اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا اور ان کے ذریعہ سے اچھی طرح دنیا کو حلق میں اتارا۔ لوگوں کا تو چلن یہی ہے کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں سوا اس قلیل جماعت کے، جسے اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ چار میں سے ایک تو یہ ہوا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہؐ سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اسے سہو ہوگیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ یہی اس کے دسترس میں ہے، اسے دوسروں سے بیان کرتا ہے اور خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کا حافظہ کمزور ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے بلکہ وہ خود بھی اپنی اس کمزوری پر مطلع ہونے کی صورت میں اصرار نہ کرتا۔

تیسرا شخص وہ ہے جس نے ایک حکم بزبان رسولؐ سنا۔ مگر بعد میں جب پیغمبر ﷺ نے اس سے روک دیا، اس کا اسے علم نہ ہو سکا۔ یا برعکس کہ اس نے پیغمبر ﷺ کو منع کرتے ہوئے سنا مگر بعد میں اجازت دے دی تھی جس کا

اسے علم نہ ہوا۔ اس نے منسوخ کو تو یاد رکھا مگر ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر خود اسے تنسیخ کا علم ہوتا تو وہ اصرار نہ کرتا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہو جاتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

چوتھا شخص وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اس کی یاد داشت بھی ٹھیک ہے۔ جس طرح سنا، اسی طرح یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا، نہ کچھ بڑھایا نہ کچھ گھٹایا، ناسخ اور منسوخ کو پیش نظر رکھا اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا۔ وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود ہے اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے، ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے، یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو بھی پہچانتا ہے۔

کبھی رسول ﷺ کا کلام دو رُخ لئے ہوتا تھا۔ کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ اس سے کیا مراد لیا گیا ہے اور پیغمبر ﷺ کا اس سے مقصد کیا ہے؟ وہ اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ نہ کچھ مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے۔ مگر اس کے حقیقی معنی، مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے۔ اصحاب پیغمبر ﷺ میں سب ایسے نہ تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو۔ بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آجائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں۔ مگر میرے سامنے اگر کوئی چیز آتی تھی میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد بھی رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کی احادیث و روایات میں اختلاف کی وجوہ و اسباب۔"[29]

2. ۱۱ہجری سے آغازِ غیبت صغریٰ (۲۶۰ہجری)

پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد آپ پر نازل شدہ شریعت کی تشریح کا مرحلہ تھا جو فقہ جعفری کے دوسرے دور کو تشکیل دیتا ہے۔ اس مرحلہ کے لئے آپ ﷺ نے حدیث ثقلین میں اپنی عترت و اہل بیت علیہم السلام کو قرآن کا ہم ردیف قرار دیا۔ امام معصومؑ کے دسترس میں ہونے کے سبب، حضورؐ کی احادیث اور سنّت کا بے لوث اور خالص ورژن حاصل کرنا ممکن تھا۔ اس پورے دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ حضرت علیؑ سے امام زین العابدینؑ کی امامت تک کا دور (۱۱تا۹۵ہجری)

پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کتابت حدیث پر پابندی لگا دی گئی۔[30] مگر اصحاب شیعہ نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا۔ ذیل میں کچھ متعلقہ آثار کا ذکر کیا جارہا ہے جو اہل بیتؑ یا ان کے شاگردوں کے ذریعے انجام پائے:

ا۔ **کتاب علیؑ**: علامہ الشیخ علی الاحمدی نے اپنے موسوعہ میں ایک حصہ ان روایات کا رکھا ہے جو کتاب علیؑ تک منتہی ہوتی ہیں۔ انہیں احادیث کی کتابوں مثلاً وسائل الشیعہ میں محفوظ کیا گیا ہے۔[31]

۲۔الصحیفہ : یہ بھی حضرت علیؑ ہی سے منسوب ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ "دیات" سے متعلق مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ شیخ احمد نے مختلف کتابوں سے اس صحیفے تک منتہی ہونے والی احادیث کا بھی پتہ لگایا ہے۔[32]

۳۔ ابورافع صحابی : یہ بھی صحابہ کرام اور حضرت علیؑ کے شیعوں میں شامل تھے۔ نجاشی کے مطابق ان کے پاس بھی ایک کتاب تھی جو نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل پر مشتمل تھی۔[33]

۴۔ علی بن ابی رافع التابعی : اوپر ان ہی کے والد کا ذکر گزرا۔ حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں سے تھے بلکہ ان کے کاتب ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا۔ایک کتاب وضو، نماز اور دیگر ابواب فقہ پر مرتب فرمائی۔[34]

۵۔ عبیداللہ بن ابی رافع التابعی : حضرت علیؑ کے قضایا سے متعلق ایک کتاب تالیف کی جس کا ذکر شیخ طوسی نے الفہرست میں کیا ہے۔[35]

۶۔ ربیعہ بن سمیع التابعی : نجاشی نے مؤلفین حدیث کے طبقہ اولیٰ میں انہیں شمار کیا ہے اور ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے جو زکوۃ کے بارے میں ہے۔[36]

۷۔ عبیداللہ بن الحر الجعفی التابعی : نجاشی کے بقول ان کے پاس بھی ایک نسخہ موجود تھا جسے وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے تھے۔[37]

یہ ان کی مثالیں ہیں جنہوں نے سنت رسولؐ کو حضرت علیؑ سے حاصل کیا۔ حالات کے مخدوش ہونے کے باوجود ،بعد کے تین ائمہ (حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ) سے استفادہ کرنے والے افراد کا بھی ذکر ملتا ہے۔ شیخ طوسیؒ نے امام حسنؑ سے روایت کرنے والوں کی تعداد باون (۵۲) بتائی ہے۔اسی طرح امام حسینؑ سے روایت کرنے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد ایک سو نو(۱۰۹) بتائی ہے، امام زین العابدینؑ کا زمانہ خاص طور پر واقعۂ کربلا کے بعد بہت سخت تھا مگر ان سے بھی فقہ، حدیث، اخلاق، عقائد اور معاشرتی مسائل پر مشتمل علمی میراث آگے منتقل ہوئی ہے۔ صحیفۂ سجادیہ اور رسالۃ الحقوق اس کی واضح مثالیں ہیں۔ شیخ طوسی نے امام زین العابدینؑ کے شاگردوں اور راویوں کی تعداد ایک سو پچھتّر (۱۷۵)تک بتائی ہے۔[38]

۲۔امام محمد باقرؑ کی امامت سے غیبت صغریٰ تک (۹۵ھ تا ۲۶۰ھ)

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو نسبتاً سکون کا زمانہ ملا۔ اُموی اور عباسی کشمکش کے نتیجے میں ان دونوں ائمہؑ کو باقاعدہ علمی محافل تشکیل دینے اور احادیث نبویؐ کو منتقل کرنے اور ان سے استخراج احکام کی تربیت کا موقع ملا جسے بعد میں صحیح اجتہاد سے تعبیر کیا گیا۔ اہل بیتؑ اپنے علوم کو اپنے جد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی علمی میراث سمجھتے تھے اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے سلسلے کو اپنے آباؤاجداد کے ذریعے حضور ﷺ تک پہنچاتے

تھے۔ امام جعفر صادقؑ فرمایا کرتے تھے: حَدِيثِي حَدِيثُ أَبِي وَ حَدِيثُ أَبِي حَدِيثُ جَدِّي وَ حَدِيثُ جَدِّي حَدِيثُ الْحُسَيْنِ وَ حَدِيثُ الْحُسَيْنِ حَدِيثُ الْحَسَنِ وَ حَدِيثُ الْحَسَنِ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَؑ وَ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ حَدِيثُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ حَدِيثُ رَسُولِ اللهِ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ.[39] یعنی: "میری حدیث، میرے بابا کی حدیث ہے اور میرے بابا کی حدیث، میرے داد کی حدیث ہے اور میرے داد کی حدیث، حسین (علیہ السلام) کی حدیث ہے اور حسین (علیہ السلام) کی حدیث حسن (علیہ السلام) کی حدیث ہے اور حسن (علیہ السلام) کی حدیث امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللہ عزّ وجلّ کا فرمان ہے۔"

ان دونوں ائمہؑ کے مکتب سے ہزاروں محدثین نے تربیت حاصل کی۔ نجاشی نے حسن بن علی الوشا کی ایک سائل سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے: "۔۔۔میں نے اس مسجد میں نو سو(۹۰۰) شیوخ کو دیکھا جو سب کے سب جعفر ابن محمدؑ سے حدیث نقل کر رہے تھے۔۔۔"[40] ان اماموں کے زمانے میں جو تالیفات ہوئیں ان میں سے کچھ کو "اصول" اور کچھ کو "تصنیف" کہا گیا۔ ان دونوں کی اہمیت اور ان کے درمیان فرق کو سمجھاتے ہوئے آیت اللہ جعفر سبحانی لکھتے ہیں: "اصول میں خطا، غلطی، سہو اور نسیان کا امکان تصنیف کے مقابلے میں کم تھا اس لئے کہ "اصل" ان احادیث پر مشتمل ہوتی تھیں جسے راوی نے معصومؑ سے یا براہِ راست سنا، یا درمیان میں فقط ایک واسطہ تھا جبکہ "تصنیف" میں اس حوالے سے کافی گنجائش موجود تھی۔ ائمہ اہل بیتؑ کے شاگردوں نے امام صادقؑ کے زمانے سے لے کر امام رضاؑ کے زمانے تک ایسی چار سو(۴۰۰) کتابیں تحریر کی ہیں جنہیں "الاصول الاربعۃ مائۃ" کا نام دیا گیا جو منفرد حیثیت رکھتی تھیں اور جس کے معیار تک دوسری کتابیں نہیں پہنچتی تھیں۔"[41]

اسی طرح سید رضی الدین (المتوفّی ۶۶۴ھ) اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: "امام علی رضاؑ کے گھر والوں اور ماننے والوں میں سے ایک گروہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کے پاس قلم، دوات اور تختیاں ہوا کرتی تھیں۔ امام رضاؑ جو فرماتے یا فتویٰ دیتے وہ لوگ سنتے ہی اسے تحریر کر لیا کرتے تھے۔"[42] شیخ بہاء الدین عاملی فرماتے ہیں: "ہم تک ہمارے مشائخ کے ذریعے سے یہ بات پہنچی ہے کہ "اصحاب اصول" کا یہ طریقۂ کار تھا کہ جیسے ہی وہ ائمہؑ میں سے کسی سے کوئی حدیث سنتے تو فوراً اسے اپنی "کتب اصول" میں درج کر لیتے۔ یہ خاص اس خیال سے تھا کہ کہیں کوئی حصہ یا مکمل حدیث وقت گزرنے کے ساتھ نسیان کا شکار نہ ہو جائے۔"[43]

علامہ طبرسی فرماتے ہیں: "امام جعفر صادقؑ سے چار ہزار مشہور اہل علم نے روایت کی ہے۔ مختلف سوالات کے

جو جوابات آپ نے دیئے انہیں چار سو کتابوں میں محفوظ کیا گیا اور انھیں "الاصول" کہا گیا۔ انہیں روایت کرنے والے امام جعفر صادقؑ کے رفقا، ان کے اجداد کے ساتھی اور ان کے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ کے احباب تھے۔ مختلف فنون پر محیط علوم کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس پر ان کی روایت موجود نہ ہو۔"[44]

"اصول اَربعمائۃ" کا بعد میں ترتیب پانے والی "اصول اربعہ" (الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب، الاستبصار) کے ساتھ تعلق کو سمجھاتے ہوئے آیت اللہ جعفر سبحانی لکھتے ہیں: "یہ کتب اصول (اصول اربعمائۃ) کسی خاص ترتیب کے تحت جمع نہیں کی گئی تھیں چونکہ یہ زیادہ تر املاء اور مختلف سوالات کے جوابات پر مشتمل تھیں، لہٰذا بعد میں علماء نے مختلف ابواب کے تحت مرتب انداز میں روایات کو نقل کرنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔ لہٰذا جو ان اصول میں تھا انہیں بعد کی کتب احادیث میں، خصوصیت کے ساتھ کتب اربعہ میں نقل کیا گیا اور ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا۔ ان کے مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ "اصول اربعمائۃ" کے استنساخ اور بنیادی نسخوں کی حفاظت کی طرف رغبت کم ہوتی گئی۔[45]

ان سب باتوں کے باوجود شیعہ علماء تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح احادیث میں غلط اور جھوٹی احادیث کے خلط ملط ہونے کا سلسلہ بھی رہا۔ خصوصیت کے ساتھ غالیوں کے منفی کردار نے بہت نقصان پہنچایا۔ مثلاً مغیرہ بن سعید نے امام محمد باقرؑ سے جھوٹی احادیث منسوب کیں اور امام جعفر صادقؑ کو اس کے کذب اور اس سے برائت کا اعلان کرنا پڑا، پھر آپؑ نے اپنے اصحاب کو احادیث کی جانچ کے لئے قاعدہ تعلیم کرتے ہوئے فرمایا: "ہم سے اسی حدیث کو صحیح ماننا جو قرآن اور سنت کے موافق ہو یا تم اس کے ساتھ کسی اور سابقہ حدیث کو شاہد کے طور پر پاؤ۔ یقیناً مغیرہ بن سعید نے میرے والد کے ساتھیوں کی کتابوں میں تجاوز کیا اور ان باتوں کو بیان کیا جو میرے والد نے نہیں کہیں۔ اللہ سے ڈرو اور ہم سے اس بات کو صحیح نہ سمجھو جو اللہ اور سنت رسول کے مخالف ہو........"[46] ائمہؑ کی علمی نشستوں میں آنے والے افراد ایک سطح اور ایک طرح کے نہیں تھے۔ ان کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے:

1. عوام الناس میں سے کوئی آتا، اپنا سوال پوچھتا اور امامؑ اس کو جواب دے دیتے۔
2. وہ لوگ جو ضبط احادیث کی مہارت رکھتے تھے مگر اس سے آگے استنباط احکام ان کے بس کی بات نہیں تھی۔
3. وہ افراد جن کی سطح بلند تھی اور وہ کلیات اور اصول کو سمجھنے کے ساتھ استنباط احکام کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔
4. اپنوں کے بھیس میں غالی بھی تھے جن کا معاملہ روشن ہونے پر امامؑ نشاندہی فرمادیا کرتے تھے۔

5. بعض ایسے بھی تھے جو ائمہؑ کے علم کے معترف تھے مگر انھیں امام معصوم نہیں مانتے تھے۔ مثلاً ابو حنیفہ۔

مجتہدین کی تربیت میں ائمہ علیہم السلام کی روش

ائمہ طاہرین علیہم السلام نے در حقیقت، مجتہدین اور فقہاء کی تربیت کی ہے۔ ائمہ کا استنباط احکام کا طریقہ سمجھانے کے لئے کی روش کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

1. زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی کہ کیاآپ مجھے یہ سمجھائیں گے کہ آپ نے سر اور پاؤں کے صرف بعض حصہ پر مسح کرنے کو کیونکر کافی جانا؟ امامؑ نے مسکرا کر فرمایا: اے زرارہ! یہ مطابق بفرمان رسول خداﷺ اور قرآن ہے۔ خدا فرماتا ہے: فاغسلوا وجوھکم (اپنے چہروں کو دھوؤ)، اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ تمام چہرہ دھونا چاہیئے۔ پھر خدا نے متصل فرمایا: و ایدیکم الی المرافق (اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھوؤ)، اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ تمام ہاتھ کو نہیں دھونا بلکہ صرف کہنیوں سے انگلیوں تک دھونا ہے۔ اس کے بعد خدا نے سابقہ کلام سے کچھ فاصلہ کرکے اگلا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وامسحوا برؤسکم (اور سروں کے بعض حصے کا مسح کرو)۔ اس "باء" (بعضیت) کی وجہ سے ہم نے یہ سمجھا کہ سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا ہے اور پیغمبر اسلامﷺ نے (اپنے قول و فعل سے) اس کی تفسیر کرکے بتائی مگر لوگوں نے (اسے محفوظ نہ رکھا) اور اسے ضائع کر دیا۔"[47]

2. زرارہ اور بکیر دونوں نے حضرت امام باقرؑ سے رسول خداﷺ کا طریقۂ وضو بیان کرنے کی درخواست کی۔ امام نے ایک طشت منگوایا، ...... یہاں تک کہ فرمایا کہ خدا فرماتا ہے: یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (خدا نے اس آیت مبارکہ میں) چونکہ منہ اور ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا ہے اس لئے چاہیئے کہ وضو کرنے والا منہ کا کوئی حصہ دھوئے بغیر نہ چھوڑے اسی طرح کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں تک ہاتھوں کا کوئی حصہ بغیر دھوئے نہ چھوڑے...."[48]

3. محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا۔ میں آپ سے حدیث سن کر کچھ اضافہ یا کمی کر سکتا ہوں ؟ امامؑ نے فرمایا: اگر تمہارا ارادہ معانی بیان کرنے کا ہے تو کوئی حرج نہیں۔"[49]

ائمہ طاہرینؑ کی اس تربیت کے نتیجے میں جن مجتہدین اور فقہاء نے تربیت پائی ان کو ذیل کے 3 طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا طبقہ: اس طبقے میں اساسی طور پر تین شخصیات نے تربیت پائی۔ یہ شخصیات بالترتیب سعید بن المسیب بن حزن بن وھب القرشی المدنی (۱۳ سے ۹۴ھ)، القاسم بن محمد ابی بکر (متوفّٰی ۱۰۸) اور ابوخالد الکابلی (یہ دوسری صدی ہجری) ہیں۔ ان شخصیات کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَ أَبُو خَالِدٍ الْكَابُلِيُّ مِنْ ثِقَاتِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ[50] اسی طرح عطیہ بن سعد العوفی الجدلی الکوفی (متوفّٰی ۱۱۱ھ) کو بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کے تربیت یافتہ پہلے طبقۂ فقہاء میں قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوسرا طبقہ: اس طبقے نے پانچویں اور چھٹے امام کے زمانے میں تربیت پائی اور اس قابل ہوئے کہ فروع کو اصول کی طرف پلٹا سکیں۔ کشی نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے "تسمية الفقهاء من اصحاب ابی جعفر و ابی عبدالله علیهم السلام"، جس میں اس طبقہ کے چھ فقہا کے نام اس طرح لکھے ہیں: زرارہ، معروف بن خرّبوز، برید بن معاویہ، ابوبصیر الاسدی، الفضیل بن یسار اور محمد بن مسلم الطائفی۔ ان میں زرارہ سب سے نمایاں تھے۔ دوسرے طبقے کے بعض فقہاء ایسے بھی ہیں جنہوں نے پانچویں امامؑ کا زمانہ نہیں پایا۔ کشی نے ان کا ذکر علیحدہ باب "تسمية الفقهاء من اصحاب ابی عبدالله" کے ذیل میں کیا ہے۔ ان کے نام بالترتیب یہ ہیں: جمیل بن دراج، عبداللہ بن مسکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عثمان، حماد بن عیسی اور ابان بن عثمان۔ اس طبقے کے فقہاء میں جمیل بن دراج سب سے نمایاں تھے۔

تیسرا طبقہ: امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کے تربیت یافتہ فقہا کا ذکر کشی نے "تسمية الفقهاء من اصحاب ابی ابراهيم و ابی الحسن علیهما السلام" کے باب میں کیا ہے۔ تیسرے طبقے کے ان فقہاء میں سے بعض کے نام یہ ہیں: یونس بن عبدالرحمٰن، صفوان بن یحییٰ بیاع السابری، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، الحسن بن محبوب اور احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعد کے ائمہؑ کے زمانے میں الفضل بن شاذان بن الخلیل اور ابومحمد الازدی نیشاپوری (المتوفّٰی ۲۶۰ھ) نمایاں تھے۔ ان کے والد، یونس کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انھیں امام محمد تقی جوادؑ سے روایت کرنے کا شرف حاصل رہا۔ نجاشی کے مطابق، انھوں نے ۱۸۰ کتابیں تحریر کیں۔[51] فقہ میں بھی ان کی ایک سے زائد کتابیں تھیں۔ کتاب الطلاق، الفرائد الکبیر، الفرائد الاوسط، الفرائد الصغیر اور دیگر کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ افسوس! یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں مگر شیخ کلینی نے کتاب الطلاق اور الفرائض کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ نقل شدہ حصے میں دقّت کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ شیعہ فقہ اس زمانے میں استقلال حاصل کر رہی تھی

اور فتویٰ دیتے ہوئے معاملہ سند کو حذف کرکے نص پر اکتفا کرنے سے آگے بڑھ رہا تھا اور نص میں موجود الفاظ کی پابندی کو بھی بعض مقامات پر ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔اسے الکافی کتاب الطلاق، باب الفرق بین من طلق علی غیر السنۃ میں دیکھا جاسکتا ہے۔الفضل بن شاذان کی کتاب "الایضاح" ہم تک پہنچی ہے۔اس میں کچھ فقہی مسائل پر استدلالی بحث موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں معاملہ صرف حدیث کے نقل کرنے تک محدود نہیں تھا بلکہ ظرف اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ائمہ معصومینؑ، صحیح اجتہاد کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور فروع کو اصول کی طرف پلٹانا سکھاتے تھے، جیسے امام رضاؑ کا ارشاد ہے: ''ہمارے ذمے اصول سکھانا ہے اور تمہاری ذمہ داری ان سے فروع نکالنا ہے۔''[52] نیز ائمہؑ اپنے ساتھیوں کو احادیث پر غور و فکر کے لئے ابھارتے تھے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ''تم لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ وہ ہے جو ہمارے کلام کے معانی کو پہچان سکے کیونکہ ایک ہی کلمہ مختلف انداز سے استعمال ہو سکتا ہے۔ (فہم نہ ہونے کی صورت میں) انسان مطلب کچھ کا کچھ کر دے گا جبکہ اس کا ارادہ جھوٹ کا بھی نہیں ہوگا۔''[53] امام رضاؑ فرماتے ہیں: ''ہمارے اخبار میں قرآن کی طرح محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی لہٰذا متشابہ کو محکم کی طرف پلٹاؤ۔ محکم کو چھوڑ کر متشابہ کے اتباع کا نتیجہ گمراہی ہے۔''[54] خلاصہ یہ کہ فقہ جعفری کے امام باقر علیہ السلام سے شروع ہونے والے دور میں فقہ جعفریہ جن ارتقائی منازل سے گذر کر آگے بڑھی، انہیں چار مرحلوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

پہلا مرحلہ: احادیث کی بغیر کسی ترتیب و تنظیم کے جمع آوری مثلاً اصول اربعمائۃ۔

دوسرا مرحلہ: موضوعات کے اعتبار سے فقہی احادیث کی ترتیب و تنظیم۔

تیسرا مرحلہ: سند حذف کرکے روایات کے الفاظ ہی کو فتوے کے طور پر بیان کرنا جس کا نمونہ شیخ صدوق کی "المقنع" ہے۔

چوتھا مرحلہ: احادیث و روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ اور تعبیرات میں فتاویٰ کو بیان کرنا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چوتھے مرحلے میں علم فقہ نے اپنی مستقل حیثیت حاصل کر لی۔[55] واضح رہے کہ اس ارتقاء کو آسانی سے قبول نہیں کیا گیا۔ یہ چوتھا مرحلہ بہت طولانی ثابت ہوا یہاں تک کہ شیخ طوسی نے المبسوط تحریر کرکے اس انداز کو استقلال عطا کیا۔

دورائمہؑ کے علمی مراکز

ا۔ مدینہ منورہ

جو اصحاب رسولؐ و تابعین میں سے بڑی تعداد کا مسکن تھا اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک فعال رہا۔ اسے پہلا باقاعدہ اسلامی مدرسہ کہنا چاہیئے۔ ائمہؑ کے زمانے سے پہلے حضرت سلمان فارسیؓ، ابن عباسؓ، ابوذر غفاریؓ اور ابورافعؓ وغیرہ اسی مدرسے کا ثمر تھے۔ بعد رسولؐ، ائمہؑ کے زمانے میں سعید بن مسیب، قاسم بن محمد اور ابوخالد کابلی وغیرہ نمایاں رہے۔

۲۔ کوفہ

اپنی ظاہری خلافت کے زمانے میں حضرت علیؑ کو مدینہ سے کوفہ آنا پڑا۔ باوجود یہ کہ وہ زمانہ بہت پُرآشوب تھا مگر آپ کے کوفہ آجانے سے کوفہ میں خاصی علمی چہل پہل شروع ہوئی۔ امام جعفر صادقؑ بھی، اپنی زندگی کے آخری دور میں، دوسال کے لئے کوفہ تشریف لائے۔ کوفہ کے فقہاء میں ابان بن تغلب بن رباح کوفی شامل ہیں جنھوں نے کئی ہزار احادیث امام صادقؑ سے نقل کیں۔ ایسا ہی معاملہ محمد ابن مسلم کوفی کا بھی تھا۔ کوفہ میں چند گھر، علمی اور فقہی خدمات کی وجہ سے مشہور تھے مثلاً بیت آل اعین، بیت آل حیان تغلبی اور بیت بنی درّاج۔

۳۔ بغداد

ائمہ اہلبیتؑ میں، امام موسی کاظمؑ پہلی شخصیت ہیں جن کی شہادت بغداد میں ہوئی اور انہیں اس کے مضافات میں مقبرۃالقریش میں دفن کیا گیا۔ اس زمانے سے شیعہ علماء کی بڑی تعداد وہاں جمع ہونا شروع ہو گئی۔ نواب اربعہ، ابن قولویہ، شیخ کلینی، شیخ مفید، سید مرتضی، سید رضی وغیرہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ بغداد ہی میں گذارا۔ یہ سلسلہ فسادات کے بعد شیخ طوسی کے نجف ہجرت کر جانے تک ایسے ہی رہا۔

۴۔ قم اور رے

یونس بن عبدالرحمٰن کے شاگرد ابراھیم بن ہاشم کوفی کے ۲۵۰ھ میں قم تشریف لانے سے قم کی علمی رونق میں بہت اضافہ ہوا۔ بتدریج بہت سے محدثین، قم اور رے میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ غیبت کبریٰ کے اوائل میں قم اور رے کی علمی فعالیت اپنے عروج پر تھی۔ قم کے محدثین میں زکریا بن آدم نمایاں تھے، جنہیں تین ائمہ؛ امام صادقؑ، امام رضاؑ اور امام تقی جوادؑ سے استفادے کا موقعہ ملا۔ ان کا مزار قم کے قبرستان شیخان میں معروف ہے۔[56]

*****

حوالہ جات

1۔الامام ابی عبد اللہ محمد بن مکی العاملی، الشہید الاوّل، *القواعد والفوائد* (قم، منشورات مکتبۃ المفید، سن ندارد) ،30؛ الشیخ السعید جمال الدین نجل الشہید الثانی زین الدین العاملی، الشیخ حسن، معالم الدین وملاذ المجتہدین،*اصول فقہ کی بحث کی ابتدا میں* (قم، مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی، 1413ھ ق)، 66۔

2۔ السید محمد باقر، الصدر، المعالم الجدیدۃ للأصول، *دروس تمہیدیۃ فی علم الاصول المعالم الجدیدۃ للاصول* (تہران، مکتبۃ النجاح، 1395ق) ،7۔

3۔ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی المصری، ابن منظور، *لسان العرب*، مادہ "نبط" (قم، نشر ادب الحوزۃ، 1405ہ، 1363ش)۔

4۔ ایضاً، مادہ "جہد"۔

5۔ابو القاسم، المیرزا قمی ,*القوانین المحکمہ فی الأصول*، ج4 (قم، احیا الکتب الاسلامیۃ، 1430ھ)، 235۔

6۔ شیخ محمد بن حسن، الحر العاملی، *وسائل الشیعۃ*، ج27، باب تحریم الحکم بغیر الکتاب و السنۃ و وجوب نقض الحکم مع ظھور الخطا المسلم (قم، موسستہ آل البیتؑ، 1409ق) ،34؛ ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، *صحیح مسلم شریف*، کِتَاب فَضَائِلِ الصَّحَابَۃِ، باب مِنْ فَضَائِلِ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہ، (کراچی، ناشر ندارد، 2005م) ، حدیث رقم 8۔

7۔ الحر العاملی، *وسائل الشیعۃ*، 62۔

8۔البہبہانی، الوحید، محمّد باقر،*الفوائد الحائریۃ*، فائدہ 36، از فوائد قدیمہ (قم، مجمع الفکر الاسلامی، 1415ق) ،337۔

9۔ محمد بن یعقوب بن اسحاق، الکلینی، *الکافی*، ج1 (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ق) ،43۔

10۔ الحر العاملی، *وسائل الشیعۃ*، 44۔

11۔ الکلینی، *الکافی*، ج1، باب البدع و الرای و المقاییس، 57۔

12۔ابو عبد اللہ محمد بن إدریس، الشافعی،*الرسالۃ*، ج1 (مصر، مکتبہ الحلبی، 1940ء)، 476۔

13۔عدنان فرحان القاسم، تطور حرکۃ الاجتہاد عند الشیعۃ الامامیۃ (بیروت، دار السلام، 1433ھ ق) ،208۔

14۔ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، البخاری، *صحیح بخاری شریف*، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطا، ج3 (لاہور، اسلامی کتب خانہ، سن ندارد)، 748۔

15۔ البخاری، *صحیح بخاری شریف*، 203،205۔

16۔ ایضاً

17۔ السید مرتضی، علم الہدی، *رسائل الشریف المرتضی*، ج4 (قم، دار القرآن الکریم، 1405ق) ، 50۔

18۔السید محمد باقر، الصدر، دروس فی علم الاصول، ج1 (بیروت، مکتبۃ المدرسۃ، 1406ھ ق۔1986م)، 48۔
19۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن، الطوسی، معروف بہ شیخ الطائفۃ، المبسوط فی فقہ الإمامیۃ، ج7 (تہران، المکتبۃ المرتضویۃ لإحیاء الآثار الجعفریۃ، 1387ھ)، 277۔
20۔الصدر، دروس فی علم الاصول، ج1، 48۔
21۔ایضاً۔
22۔ایضاً۔
23۔المستصفی، ج4، 483۔
24۔ایضاً، ج1، 49۔
25۔السید مرتضی، علم الہدی، الذریعۃ الی اصول الشریعۃ، ج2 (تہران، انتشارات دانشگاہ، 1376ش)، 794۔
26۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن، الطوسی، معروف بہ شیخ الطائفۃ، العدۃ فی اصول الفقہ، تیز ہوش، سایر طبع ہا، ج2 (قم، بوستان کتاب، 1417ق)، 733۔
27۔العلامۃ، الحلی، ابی منصور الحسن بن یوسف بن المطہر الاسدی، مبادیٔ الوصول الی علم الاصول (بیروت، دار الأضواء، 1406ھ۔1986م)، 248۔
28۔تطور حرکۃ الاجتہاد عند الشیعۃ عند الشیعۃ الامامیۃ ص
29۔امیر المومنین، العلی ابن ابی طالب، نہج البلاغہ، مترجم: مفتی جعفر حسین، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، 2019ء، خطبہ نمبر 208۔
30۔السبحانی، جعفر، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، (قم، موسسۃ الامام الصادقؑ، 1427ق) 182۔
31۔الشیخ علی الاحمدی المیانجی، مکاتیب الرسول (ص)، ج2 (قم، موسسہ علمی فرھنگی دار الحدیث، سازمان چاپ و نشر، 1998/1419)، 31۔
32۔ایضاً۔
33۔احمد بن علی، النجاشی، رجال النجاشی (قم، مؤسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعۃ المدرسین بقم المشرفہ، 1365ش)، رقم، 1، 4۔
34۔ایضاً، 6، رقم 2۔
35۔الطوسی، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن، معروف بہ شیخ الطائفۃ، الفہرست، فہرست کُتُب الشیعَۃِ وَ اُصولِہِم وَ اَسماءِ المُصَنِّفینَ وَ اَصحابِ الأُصول (قم، مؤسسۃ نشر الفقاہۃ، 1417ھ)، 174۔
36۔النجاشی، رجال، 7، رقم 3۔
37۔ایضاً، 9، رقم 6۔

38۔ السبحانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 130۔

39۔ الکلینی، الکافی، ج1، 53۔

40۔ النجاشی، رجال، 40 (رقم 80) الحسن بن علی بن زیاد۔

41۔ السبحانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 137۔

42۔ ابن طاووس، رضی الدین حلّی مہج الدعوات ومنہج العبادات، (قم، دار الذخائر، 1411ھ)، 220۔

43۔ شیخ بہاء الدین العاملی، البھائی، مشرق الشمسین اکسیر السعادتین (مشھد، مجمع البحوث الاسلامیۃ، 1993ء)، 63۔

44۔ لشیخ امین الأسلام إبی علی، الطبرسی، إعلام الوری بأعلام الھدی، ج 2 (قم، موسسہ آل البیت علیھم السلام لاحیا التراث، 1417ق)، 200۔

45۔ السبحانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 139۔

46۔ محمد بن عمر، الکشی، رجال الکشی، اختیار معرفۃ الرجال، ج2 (قم، مؤسسۃ آل البیت علیھم السلام، ندارد)، 490۔

47۔ شیخ محمد حسین، النجفی، مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشیعہ، ج1 (سرگودھا، مکتبۃ الثقلین، 1421ق/2001ء)، 255۔

48۔ ایضاً، ج1، 242۔

49۔ العاملی، وسائل الشیعۃ، ج27، 80۔

50۔ الکلینی، الکافی، ج1، 472۔

51۔ النجاشی، رجال، 306۔

52۔ العاملی، وسائل الشیعۃ، ج27، 62۔

53۔ ایضاً، ج27، 117۔

54۔ ایضاً، 115۔

55۔ اسلامی رضا، مدخل علم فقہ (قم، مرکز مدیریت حوزہ علمیہ، 1384ھ)، 276۔

56۔ ایضاً، 280۔

Bibliography

Abu Al-Qasim, Al-Mirza Qami. Al-Qawanīn al-Muhkamah fi Usūl, vol. 4. Qum: Ihya’ub al-Islamiyyah,1430AH.

Al-Alama al-Hilli, Abi Mansour Al-Hassan b. Yusuf b. al-Mutahhar al-Asadi. Mabadi al-Wosūl ilā Ilm al-Usūl. Beirut: Dar Al-Adwa, 1406AH/1986.

Al-Amili, al-Imam Abi Abdullah Muhammad b. Makki Al-Shahīd Al-Awwal. Al-Qawai’d wa al-Fawai’d. Qum: Manshurāt Maktabah al-Mufīd, nd.

Al-Amili, al-Shaykh al-Saeed Jamal al-Din Najl al-Shahīd al-Thāni Zain al-Din al-Shaykh Hasan. Maā'lim al-Din wa Mulāz al-Mujtahidīn. Qum: Maktabah Ayatullah al-Uzma al-Mara'shi al-Najafi, 1413AH.

Al-Baha'i, Shaykh Bahāu'llah Al-Amili. Mashriq Al-Shamsyn Aksīr Al-Saā'datayn. Mashhad: Majma' al-Buhūth al- Islamiyyah, 1993.

Al-Bahbahani, Al-Wahīd, Muhammad Baqir. Al-Fawai'd Al-Hai'riyyh. Qum: Majma' Al-Fikr Al-Islami, 1415AH.

Al-Bukhari, Abu Abdullah Muhammad b. Ismael. Sahih Bukhari Sharif, vol. 3. Lahore: Islami Kitab Khana, nd.

Al-Hur Al-Amili, Shaykh Muhammad b. Hasan. Wasai'l al-Shiah, vil. 27. Qum: Mua'ssassa Aāl al-Bayt, 1409AH.

Ali b. Abi Talib, Amir al-Mu'minīn. Nahj al-Balaghah. Translated by Mufti Ja'far Husyn. Karachi: Jamia'h Talimāt-e Islami Pakistan, 2019.

Al-Kashi, Muhammad b. Umar. Rijal al-Kashi, vol. 2. Qum: Mua'ssasa āl al-Bayt, nd.

Al-Mianji, al- Shaykh Ali Al-Ahmadi. Makātīb al-Rasūl, vol. 2. Qum: Mua'ssasa Ilmi Farhanghi Dar Al-Hadith, 1419AH/1998.

Al-Misri, Abi al-Fadl Jamal al-Din Muhammad b. Mukarram al-Afriqi Ibn Manzūr. Lisān al-Arab. Qum: Nashr Adab al-Hawza, 1405AH.

Al-Najafi, Shaykh Muhammad Husyn. Masai'l al-Sharia'h Tarjama Wasai'l al-Shiah, vol. 1. Sargodha: Maktaba al-Thaqalayin, 1421AH/2001.

Al-Najashi, Ahmad b. Ali. Rijāl Al-Najashi. Qum: Mua'ssasa al-Nashr al-Islami al-Tabia' li Jamia'h al- Mudarrisīn, 1365AD.

Al-Qasim, Adnan Farhan. Tatawwar Harakah al-Ijtihad enda al-Shiah al-Imamiyah. Beirut: Dar al-Salām, 1433AH.

Al-Sadr, Al-Sayyid Muhammad Baqir. Durūsun fi Ilm al-Usūl, vol. 1. Beirut: Maktab Al-Madrasah, 1406AH/1986.

_____. Al-Maā'lim al-Jadidah li-Usūl. Tehran: Maktabah Al-Najah, 1395AD.

Al-Shafi'ī, Abu Abdullah Muhammad b. Idrīs. Al-Risalah, vol. 1. Egypt: Maktab al-Halabi, 1940.

Al-Subhani, Ja'far. Tarikh al-Fuiqh al-Islami wa Adwarihī. Qum: Mua'ssasa Imam Sadiq, 1427AH.

Al-Tabrisi, Shaykh Amin al-Islam Abi Ali. Ie'lām al-Warā bi Ie'lām al-Huda, vol. 2. Qum: Mua'ssasa āl al-Bayt, 1417AH.

Al-Tusi, Shaykh Abu Ja'far Muhammad b. Hasan b. Ali b. Hasan. Al-Iddah fi Usūl al-Fiqh, vol. 2. Qum: Bostan Kitab, 1417AH.

_____. Al-Mabsūt fi Fiqh al-Imamiyyah, vol. 7. Tehran: aAl-Maktaba al-Murtadhawiyyah li Ahya al-Athār al-Ja'fariyyah, 1387AD.

_____. Al-Fahrist. Qum: Mua'ssasa Nashr al-Fuqaha, 1417AH.

Alum al-Huda, Al-Sayyid Murtadha. Rasa'il al-Sharif al-Murtadha, vol. 4. Qum: dar al-Quran al-Karīm, 1405AH.

_____. Al-Daria'h ila Usūl al-Shariah, vol. 2. Tehran: Intisharāt Danishgah, 1376AD.

Ibn Tawus, Razi al-Din Hillli. Mahj al-Dawāt wa Manhaj al-Ibadāt. Qum: Dar al-Zakhai'r, 1411AH.

Kulayni, Muhammad b. Yaqub. Al-Kafi, vol. 1. Tehran: Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1407AH.

Nishapuri, Abu Al-Husyn Muslim b. Hajjaj –Qushayri. Sahih Muslim Sharif. Karachi: no Publisher, 2005.

Reza, Islami. Madkhal Ilm-e Fiqh. Qum: Markaz-e Mudiriyyat-e Hawza Ilmiyyah, 1384AD.